قرآن کا تصوّرِ علم

جناب ڈاکٹر سید مسعود احمد صاحب

علم کیا ہے؟ اس کی متعین تعریف کرنا مشکل ہے۔ الکندی سے امام غزالیؒ تک علم کی پانچ سو سے زائد تعریفیں (DEFINATIONS) کی جا چکی ہیں۔ لفظ علم کے معانی ہیں جاننا، سیکھنا، دریافت کر لینا، یقین و معرفت حاصل کرنا وغیرہ۔ قرآن مجید نے علم الاشیاء (البقرہ ۳۱)، علم ہدایت[1]، علم صفات[2]، علم منطق[3]، علم غیب اور علم شہادت[4] وغیرہ مختلف علوم کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کی حدود بہت وسیع ہیں۔ اس میں احوال و افعال، اوصاف ذات، زمان و مکان، مادہ و انرجی، روح و جسم، صنعت و حرفت جملہ مظاہر کائنات کی معرفت اس میں آ جاتی ہے۔

حقیقت (REALITY) ایک معروضی (OBJECTIVE TERM یا PRAGMATIC AFFAIR) چیز ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا حقیقت ایک ہے یا ایک سے زائد۔ اگر حقیقت ایک ہے تو وہ ہر چیز کی آخری (ULTIMATE REALITY) حقیقت ہو گی۔

---

[1] الاعلیٰ: ۳ البلد: ۱۰ الدہر: ۳

[2] لقمان: ۲۷ الکہف ۱۰۹ [3] الزمر: ۱۴ بنی اسرائیل: ۱، ۷، ۱۰۰

[4] الحشر: ۲۲ المومنون: ۹۲ الرعد: ۹ فاطر: ۳۸

جس سے بدیہی طور پر یہ نکتہ نکلتا ہے کہ اُس آخری حقیقت کا عرفان ہی جستجوئے حقیقت کا منتہا مقصود ہونا چاہیے۔ اور اگر حقیقت متنوع المظہر (DIVERSIFIDE FACTS) صفت ہے تو نیرنگی و تنوع کی بنیاد پر مختلف حقائق کو الگ الگ بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس اختلاف رائے کا ہماری بحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ قرآن کی رُو سے "الحق" (ULDIMATE AND REALITY) (ABSOLUTE REALITY) اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (المومنون: ۱۱۶، طٰہٰ: ۱۱۴) البتہ انسان کی خلافتِ ارضی اور تسخیرِ کائنات جیسی گراں بار ذمہ داریوں کا یہ تقاضا ہے کہ اُس "اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ" (آل عمران: ۶۰، الحج: ۵۴) کے مختلف مظاہر کو وہ سمجھے۔ کیوں کہ قرآن کائنات کے آئینہ میں خالق کائنات کی معرفت اور احساسِ ذمہ داری کا تصور پیدا کرنا چاہتا ہے (آل عمران: ۱۹۰-۱۹۱) اور قرآن کی رُو سے علم کا صحیح مصرف یہ ہے کہ انسان خلافتِ الٰہیہ کی گوناگوں ذمہ داریوں کی بہترین ادائیگی کے قابل ہو جائے۔ علم اسی مقصد کے حصول کے لیے اُسے دیا گیا تھا۔ (البقرہ: ۳۰، ۳۳)۔

علم کے معانی و مفاہیم کسی شے یا صفت کے حقیقی اور جامع مفہوم کو متعین کرنے کے لیے عموماً چار طریقے استعمال کیے جاتے ہیں:

۱۔ خود اس شے یا صفت کے استعمالات دیکھے جائیں۔

۲۔ ظروفِ اشیاء کے معانی سے استنباط کیا جائے۔

۳۔ اشیاء کی ضد کے معانی و مفاہیم سے ان کا مفہوم متعین کیا جائے۔

۴۔ اس شے سے قریب تر اشیاء کے استعمالات سے اس کے معانی کا تعین کیا جائے۔

مندرجہ بالا چار طریقوں سے علم کا مفہوم متعین کرنے کے لیے ہم بحث اس طرح کر سکتے ہیں کہ اولاً خود صفت علم کے مختلف قرآنی استعمالات کا تجزیہ ہو، ثانیاً یہ دیکھا جائے کہ قرآن کے نزدیک علم والے کون ہیں۔ اس کی روشنی میں اس کے مفہوم کا تعین کیا جائے۔ ثالثاً جہل و جہلاء کے استعمال کی روشنی میں ضدِ جہل یعنی علم کے معانی متعین کیے جائیں۔ رابعاً علم کے ہم معنی الفاظ مثلاً تعقل، تفقہ، حکمت اور ہدایت وغیرہ کا قرآنی تصورِ علم کے معانی جاننے کے لیے استعمال کیا جائے۔

علم والوں کے ضمن میں قرآن مختلف الفاظ استعمال کرتا ہے مثلاً اوتوا العلم، علماء، عالمو

اولی العلم، ذی علم، راسخون فی العلم وغیرہ۔

قرآن مجید میں نو[۹] مقامات پر اوتوا العلم (جنہیں علم دیا گیا) کا تذکرہ ہے۔ (الحج: ۵۴[۱]) ایک مقام پر اوتینا العلم (ہمیں علم دیا گیا) آیا ہے۔ (النمل: ۴۲)۔ ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ علم والے آیات وبینات کی روشنی میں اللہ پر (العنکبوت: ۴۹) یومِ آخرت پر (الروم: ۵۶، القصص: ۸۰) اور قرآن پر (بنی اسرائیل: ۱۰۷)[۲] ایمان لے آتے ہیں اور ایمان والوں اور علم والوں کے درجات اللہ کے نزدیک بہت بلند ہیں (المجادلہ: ۱۱)۔

عالموں کی فہرست میں جن لوگوں کو شمار کیا گیا ہے، ان کا ذکر سات آیات میں ملتا ہے[۳]۔ مثلاً سورہ عنکبوت: ۴۳ میں فرمایا گیا ہے کہ "یہ مثالیں ہم لوگوں کی فہمائش کے لیے دیتے ہیں، مگر ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے (عالمون) ہوں"۔ سورۂ روم آیت ۲۲ میں ہے کہ "اسی کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانش مند لوگوں (عالمین) کے لیے"۔ علماء کا ذکر دو جگہ آیا ہے (فاطر: ۲۸، الشعراء: ۱۹۷)۔ ایک جگہ علماء بنی اسرائیل کے لیے اور دوسری جگہ زیادہ جامع معنوں میں اس کا استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں علم رکھنے والے ہی ڈرتے ہیں۔ (فاطر: ۲۸)۔ عالمین کا استعمال تین جگہ اور ہے، جن میں اللہ تعالیٰ کا علم (الانبیاء ۵۱، ۸۱) اور عزیزِ مصر کے خواب دیکھنے پر اس کے درباریوں کی لاعلمی (یوسف: ۴۴) کا اظہار کرنے کے لیے علم" بمعنی جاننا" استعمال ہوا ہے۔

"اولوالعلم" کے سلسلے میں سورۂ آل عمران آیت ۱۸ میں فرمایا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور علم والے اس پر شاہد ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ عدل وقسط پر قائم ہے"۔

"ذی علم" کا ذکر سورۂ یوسف کی دو آیات میں ہے۔ ایک آیت ۶۸ میں حضرت یعقوبؑ کے

---

[۱] مزید ملاحظہ ہو الروم: ۵۶ - العنکبوت: ۴۹، القصص: ۸۰، النحل: ۲۷

[۲] نیز ملاحظہ ہو الحج: ۵۴، سبا: ۶

[۳] مزید دیکھیے۔ یوسف: ۴۴، الروم: ۲۲، الانبیاء: ۵۱، ۸۱، فاطر: ۲۸، الشعراء: ۱۹۷

بارے میں فرمایا کہ وہ علم والے تھے یعنی وہ نبی اور صاحبِ وحی و رسالت تھے اور آیت ۷۶ میں اللہ تعالیٰ کو تمام علم والوں (کل ذی علم) سے اوپر ایک علیم بتایا گیا ہے۔ یہاں ذی علم اپنے وسیع معانی میں استعمال ہوا ہے۔

قرآن مجید، علم میں پختہ لوگوں (الراسخون فی العلم) کی یہ صفت بیان کرتا ہے کہ وہ متشابہات کی تاویل میں وقت ضائع نہیں کرتے، بلکہ اُن کے معانی کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے خاموش ہو جاتے ہیں اور ان کی حقانیت پر یقین رکھتے ہیں (آل عمران: ۷) دوسری جگہ سورۃ النساء آیت ۱۶۲ میں ہے کہ "لیکن راسخون فی العلم اور مومنین اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور آپ سے پہلے اور جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں"۔

"یعلمون" (یونس: ۵)[1] قرآن میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے جس کا احاطہ کرنا مضمون کی طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لفظ کے مختلف و متنوع استعمال سے علم کی حدود بہت وسیع ہو جاتی ہیں۔

"اہل الذکر" کو بھی جاننے والوں ہی کی صف میں رکھا جا سکتا ہے کیونکہ قرآن ہی میں واضح قرینہ ہے کہ اہل الذکر سے مراد اہل علم ہیں۔ فرمایا گیا کہ تمہیں علم نہ ہو تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو (النحل: ۴۳، الانبیاء: ۷) یہاں اہلِ ذکر سے مراد حاملینِ وحی اور حاملینِ کتاب ہیں۔

علم کی ضد یعنی جہل کے سلسلہ میں قرآن میں جاہل، جاہلون، تجہلون وغیرہ الفاظ بیس[2] سے زائد مقامات پر استعمال ہوئے ہیں۔ ہم یہاں ان الفاظ سے جہل کے معانی و مفاہیم کا تعین کریں گے۔ چوبیس مقامات پر جہل کے مختلف صیغوں کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ لفظ تعصب، حماقت، سفاہت، نادانی، بے علمی، حقیقت سے ناواقفیت، بدتمیزی، وہم و قیاس وغیرہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ (البقرہ: ۶۷)[3] صاحب تفہیم القرآن سورہ احزاب آیت ۳۳ کے حاشیہ ۴۹ میں رقمطراز

---

[1] مزید ملاحظہ ہو۔ توبہ: ۶، ۱۱۔ اعراف: ۳۲، انفال: ۳۴، النمل: ۵۲ وغیرہ۔

[2] نیز دیکھیے۔ آلِ عمران: ۱۵۴۔ النساء: ۱۷۔ المائدہ: ۵۔ الانعام: ۳۵، ۵۴، ۱۱۱۔ الاعراف: ۱۳۸، ۱۹۹۔ ہود ۲۹، ۴۶۔ یوسف: ۳۳، ۸۹۔ النحل ۱۱۹۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

ہیں کہ "جاہلیت کا لفظ قرآن مجید میں اس مقام کے علاوہ تین جگہ اور استعمال ہوا ہے، ایک آلِ عمران کی آیت ۱۵۴ میں جہاں اللہ کی راہ میں لڑنے سے جی چرانے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ "وہ اللہ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت کے سے گمان رکھتے ہیں"۔ دوسرے سورۂ مائدہ آیت ۵۰ میں، جہاں خدا کے قانون کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق اپنے مقدمات کا فیصلہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ تیسرے سورہ فتح آیت ۲۶ میں جہاں کفارِ مکہ کے اس فعل کو حمیتِ جاہلیہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ انہوں نے محض تعصب کی بنا پر مسلمانوں کو عمرہ نہ کرنے دیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ابوالدرداء نے کسی شخص سے جھگڑا کرتے ہوئے اس کو ماں کی گالی دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ابھی تک جاہلیت کی بُو موجود ہے ..... ان تمام استعمالات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جاہلیت سے مراد اسلام کی اصطلاح میں ہر وہ طرزِ عمل ہے جو اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی اخلاق و آداب اور اسلامی ذہنیت کے خلاف ہو اور جاہلیتِ اُولیٰ کا مطلب وہ بُرائیاں ہیں جن میں اسلام سے پہلے عرب کے لوگ اور دُنیا بھر کے لوگ مبتلا تھے"۔

جاہلیت کے ضمن میں فاضل مفسر کا ایک اور حاشیہ اس بحث کے دیگر گوشے نمایاں کرتا ہے۔ فرماتے ہیں: جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کیونکہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے، جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔ اس کے برخلاف ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔ عرب کے زمانہ قبلِ اسلام کو جاہلیت کا دَور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں علم کے بغیر محض وہم یا قیاس و گمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لیے زندگی کے طریقے مقرر کر لیے تھے۔ یہ طرزِ عمل جہاں جس دَور میں بھی انسان اختیار کرے گا اُسے بہرحال جاہلیت ہی کا طرزِ عمل کہا جائے گا۔ مدرسوں اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

النمل: ۵۵ - فرقان: ۶۳ - القصص: ۵۵ - الزمر: ۶۴ - احقاف: ۲۶ - احزاب: ۳۳، ۷۲ - فتح: ۲۶ - الحجرات: ۶

یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے اور کسی معنی میں بھی انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ لہٰذا خدا کے دیئے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر جو نظامِ زندگی اِس جزوی علم کے ساتھ ظنون و اوہام اور قیاسات و خواہشات کی آمیزش کر کے بنا لیے گئے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح جاہلیت کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اس تعریف میں آتے تھے[1]

مندرجہ بالا قرآنی اصطلاحات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ علم والے وہ لوگ قرار پاتے ہیں جو حقائقِ کائنات اور حقیقتِ نفس الامری کو جاننے والے ہیں جو آخرت کو سنوارنے کی نہ صرف خود فکر کرتے ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے ہیں۔ جو کائنات میں اپنے مقام اور اپنے مقصدِ زندگی کی معرفت حاصل کر چکے ہیں۔ اس کے برخلاف ہر وہ شخص قرآن کی رُو سے جاہل قرار پاتا ہے جو ان حقائق سے نابلد ہے یا ان سے جانتے بوجھتے رُوگردانی کرتا ہے اور حیاتِ دُنیوی ہی کو اپنا مطمحِ نظر بنا کر زندگی گزارتا ہے۔

علم اور علماء کے مفہوم میں یفقہون، اولی الالباب، حکمت، یعقلون وغیرہ کا استعمال بھی قرآن میں کثرت سے ہوا ہے۔ اختصار کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تفقہ، حکمت اور ہدایت کا تعلق اس علم سے ہے جس سے ہر نیچہ توفیض یاب ہوتا ہی ہے، ان کے علاوہ دوسرے سلیم الفطرت انسانوں کو بھی اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ علم کے جامع و وسیع مفہوم کے تعین میں ان الفاظ کے مختلف استعمالات سے یک گونہ مدد ملتی اور تقویت پہنچتی ہے۔

علم کے ضمن میں اُوپر کے جائزہ اور قرآنی تصریحات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حقیقی علم[2]، جسے قرآن میں اکثر "العلم" سے تعبیر کیا گیا ہے وہ ہے جو براہ راست پیغمبر کو وحی کے ذریعہ دیا جاتا ہے اور دوسرے انسانوں تک رسولوں کے ذریعہ پہنچتا ہے — یہ رسول

---

[1] تفہیم القرآن جلد اوّل سورہ مائدہ، حاشیہ نمبر ۸۳

[2] النجم: ۳۰ - الملک: ۲۶ وغیرہ

(خصوصاً نبی آخر الزمان[۲]) کتاب ہدایت و آگہی کی تعلیم دیتے ہیں ۔ کائنات اور خالقِ کائنات کے رموز و اسرار کی نقاب کشائی کرتے ہیں ۔ آئینۂ کائنات میں خالقِ کائنات اور منازلِ انسانی کا پرتو دکھاتے ہیں اور ان علومِ حقائق کی روشنی میں انسانوں کے تزکیہ کا بیڑا اٹھاتے ہیں[۱] ۔ لہٰذا علم کا منتہائے مقصود ایمان اور تزکیۂ نفس قرار پاتا ہے ۔ بنا بریں سورۂ جمعہ کی آیت نمبر ۵ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حاملینِ علم کی ایک بنیادی صفت یہ بھی ہونی چاہیے کہ جن حقائق سے وہ بہرہ ور ہوں اُن کا عکس ان کی عملی زندگی میں بھی جھلکنا چاہیے ۔ عالم باعمل ہی حقیقی نفع پانے کے دعوے دار ہو سکتے ہیں اور وہی اس علم کی اہمیت اور خاموش تبلیغ کا سامان فراہم کرتے ہیں ۔ ورنہ وہ " کمثل الحمار یحمل اسفارا " کے مصداق ہوں گے (الجمعہ: ۵) مزید برآں اولو العلم اپنے علم سے مخلوقِ عالم کو فائدہ پہنچانے کی پوری کوشش کریں ۔ ورنہ وہ علم خود اُن کے لیے تباہی و رسوائی کا موجب بن جائے گا ۔ (القصص: ۷۷ ، ۸۰) حضور اکرم[۲] کے بعد حاملینِ کتاب اللہ کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ تزکیۂ نفوس اور تطہیرِ معاشرہ کا فریضہ انجام دیں ۔ کیوں کہ وہی معروف و منکر کو خوب جانتے ہیں اور علمِ الٰہی اور عرفانِ حقائق کی لذت آشنا ہیں ۔

(باقی)

---

[۱] الجمعہ: ۲ ۔ آلِ عمران: ۱۶۴ ۔ البقرہ: ۵۱